مولانا نسیم ظہیر اصلاحی

تفسیر بالرائے اور تفسیر ماثور کے بارے میں

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر

انسانی ذہن و فکر میں ہمیشہ ارتقاء و تغیّر ہوتا رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہد صحابہ میں ہر شخص کے غور و فکر کے انداز میں کچھ نہ کچھ فرق رہا۔ اختلاف طبائع اور صلاحیتوں کے فرق و تفاوت کی وجہ سے ان کے درمیان بعض مقامات پر اختلافات رونما ہوئے۔ عہد تابعین میں اختلاف کا دائرہ مزید وسیع ہوا، دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے جب علمی، سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں تو فکر و نظر کے زاویے بھی تبدیل ہوئے، اس طرح جزئی اور فروعی مسائل ہی نہیں، بعض اصولی اور بنیادی مسائل و عقائد بھی زیر بحث آئے اور بتدریج قرآن مجید کو فقہی، کلامی اور فلسفیانہ بحثوں اور موشگافیوں کا میدان بنایا گیا، اس کے نتیجہ میں متعدد مکاتب فکر اور مختلف فرقے وجود میں آگئے، ہر فرقے اور مکتب فکر کے علماء اپنے اپنے میلانات و رجحانات کے مطابق قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کرنے لگے، ہر مفسر کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ جس مسلک کا حامی ہے اس کو قرآن مجید سے ثابت کرے اور دوسرے مسلک کی تردید میں اسی سے استدلال پیش کرے۔

تفسیر بالرائے کی ممانعت

ارتقاء و تغیّر کے اس موڑ پر محتاط علماء کے سامنے یہ سوال بڑی شدّت کے ساتھ اٹھا کہ تفسیر قرآن کے حدود کیا ہیں؟ ــــ اس میں غور و فکر کا دائرہ اور استنباط مسائل

و استخراج معانی کا میدان کتنا وسیع ہے؟ اس سوال کے جواب نے علماء کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔

ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر محض روایات سے کی جائے اور مدارِ تفسیر ان روایات و منقولات کو قرار دیا جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے ثابت و مروی ہیں، اس میں رائے و اجتہاد سے مدد نہ لی جائے، کیوں کہ اس سے غیر ضروری بحثوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس گروہ نے تفسیر قرآن میں مطلقاً رائے و اجتہاد کو ممنوع قرار دے دیا۔

اس کے برعکس دوسری جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں تفسیر میں رائے و اجتہاد سے مدد لی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ رائے کتاب و سنت اور عربیت کے عام اصول و قواعد کے خلاف نہ ہو۔

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر

امام حمید الدّین فراہی علیہ الرحمہ کے نزدیک ان لوگوں کا مسلک صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں رائے و اجتہاد سے مدد لینا جائز ہے، بلکہ وہ قرآن مجید میں غور و تدبّر کو ایک فریضہ بتاتے ہیں[1]۔ ان کے نزدیک رائے کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم مذموم و ناروا ہے۔

دوسری قسم جائز اور درست ہے۔

جس رائے کی سند و صراحت کتاب و سنّت میں نہ ہو اور وہ عربی زبان کے مسلّمہ اصولوں کے بھی خلاف ہو اور اس کا دار و مدار محض رائے اور ہوائے نفس پر ہو وہ رائے مذموم اور حرام ہے۔ لیکن جو رائے کتاب و سنّت کے منافی نہ ہو اور کلام عرب کے اصول و قواعد بھی اسے قبول کرنے میں مانع نہ ہوں وہ جائز اور محمود و مطلوب ہے۔ امام فراہی کے اس نقطۂ نظر کی وضاحت عبارت ذیل سے ہوتی ہے:

"آیات کی تاویل میں صحابہ و تابعین کا بہت سے مقامات پر اختلاف ہے۔

گو ان کے اکثر اختلافات میں نمایاں فرق نہیں ہوتا، تاہم اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کی تاویلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ماخوذ ہوتیں تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے تفسیر و تاویل میں عربی زبان، قرآنی نظائر، سنت نبوی اور خود اپنی فہم و بصیرت کو بنیاد بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف کے باوجود نتائج کے لحاظ سے یہ لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، اور قرآن مجید کی تاویل میں اس رائے مذموم سے اجتناب کرتے ہیں جس کی سند و صراحت کتاب و سنت اور عربی زبان میں موجود نہیں ہے۔[۲]

امام فراہیؒ کا منشا یہ ہے کہ صحابۂ کرام سے قرآن کریم کے جو معانی و مطالب منقول ہیں وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع اور اخذ کردہ نہیں ہیں، ان میں سے بعض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہیں اور کچھ انھوں نے اپنی ذاتی فہم و بصیرت اور اجتہاد و رائے سے معلوم کیے ہیں۔ اگر تفسیر قرآن میں اجتہاد و رائے سے کام لینا واقعی ممنوع و حرام ہوتا تو صحابۂ کرام کیوں ایسا کرتے، کیا ان کے متعلق یہ تصور کرنا درست ہو سکتا ہے کہ وہ ایک فعل حرام کے مرتکب ہوں گے؟ جب صحابۂ کرام نے قرآن مجید کی تفسیر و تاویل میں اپنی عقل و فہم سے کام لیا ہے اور خود قرآن بھی بار بار اس کی تلقین کرتا ہے تو پھر غور و فکر سے کام لینے اور علم و نظر کے اصولوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے کو مطلقاً ممنوع و حرام قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ ایسا کرنا اس حدیث کا مصداق بن سکتا ہے جس میں تفسیر بالرائے کی ممانعت آئی ہے۔ امام فراہیؒ کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کی مرویات بہت کم ہیں، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو روایات کا نام دے دیا گیا ہے جن کا مجموعہ تفسیر طبری ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی علما نے قرآن کے حقائق و معارف کی تلاش جاری رکھی، چنانچہ ان علما کو ایسے رموز و نکات ہاتھ آئے جو منقولی تفسیروں میں نہیں ہیں۔"[۳]

گویا امام فراہیؒ کے نزدیک فہم قرآن کے لیے منقولات اور دلائل لغویہ کے پہلو بہ پہلو عقل و فہم کو

بھی کام میں لانا ضروری ہے تاکہ قرآن کریم کے دور رس، وسیع اور گہرے معانی کا استخراج کیا جا سکے۔

قول سلف کی وضاحت

فہم قرآن کے لیے غور و تدبر اور عقل و فہم کا استعمال ناگزیر ہے امام فراہی نے اس کے متعدد ٹھوس دلائل دیے ہیں۔ لیکن ہم اس بحث کو نظر انداز کر کے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسی صورت میں علما کے اس قول کی کیا تاویل و توجیہ ہوگی جنھوں نے تفسیر بالرائے کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں غور و تدبر کو ممنوع و حرام قرار دے دیا۔ امام فراہیؒ سلف کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن بزرگوں نے یہ فرمایا ہے کہ "سلف سے جو تفسیر مروی نہ ہو وہ تفسیر بالرائے ہے۔" ان کا منشا یہ ہے کہ منقول کو چھوڑ دینے سے آدمی اوہام و شکوک میں گرفتار ہو جاتا ہے اور وہ باطل کو بھی حق سمجھنے لگتا ہے، بعینہٖ یہی بات فقہ و فتاویٰ کے باب میں بھی موجود ہے کہ جس نے سلف کی تقلید چھوڑ کر براہ راست اپنی سمجھ پر اعتماد کیا اس کے بارہ میں اندیشہ ہے کہ وہ جادۂ شریعت سے منحرف ہو جائے۔

سلف کے مذکورۃ الصدر قول کا یہ منشا بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی تاویل کے لیے اس کے موقع نزول اور سبب نزول کا علم ضروری ہے، اس صورت میں بھی نقد و تحقیق ضروری ہے تاکہ صحیح و ثابت بات اختیار کی جا سکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید میں غور و فکر ہی نہ کیا جائے، اس کے نظائر و شواہد پر بھروسہ نہ کیا جائے اور آنکھ بند کر کے محض نقل پر اعتماد کر لیا جائے جب کہ منقولات کا بڑا حصہ ضعیف روایتوں پر مبنی ہے، جو باہم متناقض ہونے کے علاوہ ظاہر قرآن کے بھی خلاف ہیں۔

سلف کے اس قول کو اس پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اہل بدعت

اور ارباب باطل جب قرآن کی تاویل ہوا و ہوس سے کرنے لگے اور نصوص کو اپنے مزعومات کے مطابق ڈھالنے لگے تو اہل سنت نے تفسیر میں قیل وقال اور رائے زنی کو ناپسند کیا۔ ظاہر ہے اس سے ان کا مقصد فتنہ کے دروازے کو مسدود کرنا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ عام خیال کہ "جو بات سلف سے مروی نہ ہو وہ تفسیر بالرائے ہے" اس قدر مستحکم ہوگیا کہ تدبر و تفکر کے لیے بھی مانع بن گیا۔"[illegible]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے کی ممانعت کا ایک خاص مفہوم اور خاص پس منظر ہے، اس کا مقصد تدبّر فی القرآن کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ ایک غور و فکر کرنے والے کو باشعور اور محتاط بنانا، خرافات و اوہام اور ہوائے نفس میں مبتلا ہونے سے بچانا، مخالفت قرآن سے روکنا اور فتنے کا دروازہ بند کرنا اس کا اصل منشا ہے۔

تفسیر ماثور

امام فراہی علیہ الرحمہ تفسیر قرآن میں حدیث رسول اور آثار صحابہ کو وہی مقام دیتے ہیں جو مقام دوسرے ائمہ و مفسرین نے دیا ہے۔ اپنا موقف وہ اس بیان کرتے ہیں:

فعلمت من هذا التفصيل ان اول شئ يفسر القرآن هو القرآن نفسه ثم بعد ذلك فهم النبي صلى الله عليه وسلم والذين معه ولعمري احب التفسير عندي ما جاء من النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه۔[illegible]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جو چیز قرآن کی تفسیر کرتی ہے وہ خود قرآن ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے اور میری جان کی قسم میرے نزدیک سب سے محبوب تفسیر وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہو۔

آگے پھر لکھتے ہیں:

" میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید کے پیش کیا کرتا ہوں۔ پہلے ایک

آیت کی تاویل اس کے ہم معنی دوسری آیات سے کرتا ہوں اس کے بعد تبعاً اس سے متعلق صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں، تاکہ ان منکرین کو کسی اعتراض کا موقع نہ ملے جنھوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔"[illegible]

امام فراہی تفسیر کے باب میں اصل الاصول کی حیثیت صرف قرآن مجید کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ احادیث میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات موجود ہیں جن میں تمیز کرنا مشکل کام ہے، اس لیے احادیث پر کلّی اعتماد کر لینے سے حق و باطل گڈمڈ ہو سکتے ہیں۔ التکمیل فی اصول التاویل میں لکھتے ہیں:

"اگر قرآن مجید کو سمجھے بغیر حدیث پر زیادہ توجہ دی جائے جب کہ اس میں صحیح و سقیم دونوں طرح کی روایات موجود ہیں تو آدمی کوئی ایسی رائے اختیار کر سکتا ہے جس کی قرآن مجید کے اندر کوئی اصل و بنیاد نہ ہو بلکہ بعض اوقات تو یہ اس کے سراسر خلاف ہو سکتی ہے، ظاہر ہے اس طرح کی حدیثوں سے قرآن مجید کی تاویل کرنے سے حق و باطل گڈمڈ ہو جائیں گے، اس لیے صحیح اور سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اوّلاً قرآن مجید سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کی جائے اس کے بعد احادیث پر غور کیا جائے، اگر کوئی حدیث بادی النظر میں قرآن مجید کے خلاف معلوم ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے جو کلام الٰہی کے مطابق ہو، اگر دونوں میں مطابقت ہو جائے تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔ لیکن اگر مطابقت ممکن نہ ہو تو حدیث کے معاملہ میں توقف کر کے قرآن پر عمل کرنا چاہیے۔"[illegible]

امام فراہی علیہ الرحمہ تفسیر القرآن بالقرآن پر بڑا زور دیتے ہیں، وہ اپنی تفسیر میں سورہ کے مرکزی موضوع، آیات کے سیاق و سباق اور ان کے نظائر کی روشنی میں ہی مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ امام فراہیؒ ذخیرہ حدیث کو نظر انداز کر رہے ہیں، حالانکہ یہ محض وہم ہے، وہ اپنی تفسیر میں احادیث کا حوالہ بالکل اسی طرح دیتے ہیں جس طرح قدیم مفسرین کے یہاں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ امام فراہیؒ احادیث کو بطور اصل نہیں بلکہ قرآن مجید کی تائید و تصدیق کے طور پر پیش کرتے ہیں، اگر کہیں کسی صحیح حدیث سے اختلاف کرنا پڑا ہے تو انھوں نے تنقید حدیث کے انہی اصولوں کی روشنی میں تنقید کی ہے جن

اصولوں کو ناقدین حدیث استعمال کرتے ہیں۔

تفسیری روایات

تفسیر قرآن کے باب میں حدیث رسول اور آثار صحابہ کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کے ساتھ امام فراہیؒ نے تفسیری روایات کے باب میں بھی وہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے جو عام مفسّرین ومحدّثین کا نقطۂ نظر رہا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ جو علمائے سلف کے بہت بڑے ترجمان ہیں، لکھتے ہیں:

فان الکتب المصنفة فی	تفسیر کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں
التفسیر مشحونه بالغث	رطب و یابس سب بھرا ہوا ہے، ان
والسمین والباطل الواضح	میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا حق ہونا
والحق المبین والعلم	بالکل واضح ہے اور ایسی باتیں بھی ہیں
إما نقل مصدق	جن کے باطل ہونے میں شبہ نہیں کیا
عن معصوم وإما	جاسکتا۔ علم اصلاً یا تو وہ ہے جو نبی
قول علیه دلیل	معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح صحیح
معلوم وما سوا	منقول ہو یا وہ بات ہے جس پر کوئی
ذٰلك فاما مزیف	واضح دلیل ہو، اس کے علاوہ جو کچھ
مردود واما موقوف	ہے، یا تو وہ کھوٹا اور نا قابل قبول ہے
لا یعلم انه بهرج	یا اس قابل ہے کہ اس کے سلسلہ میں
ولا منقود وحاجة	توقف کیا جائے کہ اس کے کھوٹے یا
الامة ماسة الیٰ	کھرے ہونے کا علم نہیں، امت کے
فهم القرآن[۸]	لیے قرآن پاک کا سمجھنا اور اس کا فہم
	حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے:

ثلاثه امور لیس لها اسناد:	تین چیزیں ہیں جن کی کوئی اصل و سند
التفسیر والملاحم والمغازی[۹]	نہیں، تفسیر، ملاحم اور مغازی۔

تفسیری روایات کے باب میں امام فراہیؒ اپنا نقطۂ نظر اس طرح واضح کرتے ہیں:

"بعض علماء نے اپنی کتابوں کی بنیاد روایات پر رکھی ہے مثلاً ابن جریر طبری، ان کی تفسیر کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ اس کے مثل کوئی اور تفسیر نہیں لکھی گئی۔ لیکن اس میں اکثر حدیثیں ضعیف ہیں، مرفوع حدیث کا حصہ بہت تھوڑا ہے۔"[۱۰]

التکمیل فی اصول التاویل میں لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی مرویات بہت کم ہیں، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو روایات کا نام دے دیا گیا ہے انہی کا مجموعہ امام ابن جریر (بغوی، ابن کثیر اور سیوطی وغیرہ) کی تفسیر ہے،.... مسلمانوں میں ان تفسیروں کو حسن قبول حاصل ہے، مگر اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان میں رطب و یابس ہر قسم کی چیزیں شامل ہیں، اس لیے نقد و امعان کی بڑی ضرورت ہے۔"[۱۱]

مقدمہ نظام القرآن میں لکھتے ہیں:

"جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایات کے ذخیرہ میں سے ان روایات کو نہ لے جو اصل کو ڈھانے والی ہوں بعض روایتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کی تاویل نہ کی جائے تو ان کی زد براہ راست اصل پر پڑتی ہے........ اس طرح کی روایات کے بارہ میں ہم کو نہایت محتاط ہونا چاہیے، صرف وہ روایتیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں، مثلاً جو آثار حضرت ابن عباس سے منقول ہیں وہ بالعموم نظم قرآن سے بہت اقرب ہیں۔"[۱۲]

اسرائیلیات

اہل کتاب کی جو روایات تفسیر و حدیث کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہیں

ان کے بارے میں امام فراہیؒ اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اہلِ کتاب کی جو روایات ہمارے یہاں پھیلی ہوئی ہیں ان کے مقابل میں خود اہلِ کتاب کی تاریخ قابلِ ترجیح ہے، کیونکہ مفسرین نے بالعموم یہ روایتیں ایسے لوگوں سے نقل کی ہیں جو بنی اسرائیل اور ان کی انبیاء کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ان کے بے اصل افسانوں کے بجائے ان کی معتبر کتابوں کو ہم ماخذ بنائیں، اور ان کو تائید کے طور پر پیش کریں، اور جہاں کہیں قرآن سے مختلف ہوں وہاں ان کو چھوڑ دیں، کیونکہ یہ قطعی معلوم ہے کہ ان کتابوں میں حق کو چھپایا گیا ہے۔"[۳]

مطالعۂ قرآن کا طریقہ

تفسیر بالرائے، تفسیر بالحدیث اور تفسیری روایات کے باب میں امام فراہیؒ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے بعد مناسب ہوگا کہ ان کے طریقۂ مطالعہ قرآن کی قدرے وضاحت کر دی جائے۔

امام فراہی علیہ الرحمہ کے نزدیک مطالعۂ قرآن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے خود قرآن مجید کا براہ راست مطالعہ کیا جائے، سیاق و سباق اور مماثل آیات کی روشنی میں اس پر غور و تدبر کیا جائے اور کلام عرب کے اسالیب و استعمالات کو پیش نظر رکھا جائے، اس طرح ذاتی غور و مطالعہ کے ذریعہ آیت کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے بعد مزید اطمینان اور شرح صدر کے لیے احادیث و روایات اور تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے، اگر کسی تاویل پر شرح صدر حاصل ہو جائے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، بصورت دیگر اپنے قصورِ علم و فہم کا اعتراف کرتے ہوئے غور و فکر اور تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ فہم قرآن کی راہیں کشادہ کر دے اور یہ دعا و جستجو اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک کامل شرح صدر حاصل نہ ہو جائے۔ امام فراہیؒ اپنے طریقۂ مطالعۂ قرآن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے آیات کے معانی تفسیر کی کتابوں سے نہیں لیے ہیں، بلکہ خود آیات پر ان کے سیاق و سباق اور مماثل آیات کی روشنی میں غور کیا ہے، اس طرح جب چند آیتوں کے معنی روشن ہو گئے ہیں تب میں نے تفسیر رازی یا تفسیر طبری اٹھائی ہے، اس میں کبھی تو ایسا ہوا کہ کوئی قول، سلف کا میرے موافق مل گیا، کبھی میں سلف کے قول کے بالکل قریب پہونچ گیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ جو معنی میری سمجھ میں آئے تھے ان سے رجوع کرنا پڑا، اور ایسا بھی بارہا ہوا کہ کوئی مشکل ایسی پیش آگئی جس کے لیے مجھے عرصہ تک توقف کرنا پڑا، لیکن ہر حال میں اشکال و ابہام کو میں نے اپنے علم و فہم کی کوتاہی اور غلط رایوں کی عامیانہ تقلید پر ہی محمول کیا۔"[۴]

مذکورہ تفصیل سے تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں امام فراہی علیہ الرحمہ کا جو نقطۂ نظر سامنے آیا وہ افراط و تفریط سے پاک، نہایت محتاط، معتدل اور متوازن نظریہ ہے، اس پر وہ پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، ان کا یہ نظریہ ان کی تفسیر میں شروع سے آخر تک برقرار نظر آتا ہے، جب کہ علمائے متاخرین نے زیادہ تر احادیث و روایات کا سہارا لیا جن میں صحیح و سقیم ہر طرح کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی آیت کی متضاد اور دور از کار تاویلیں انھیں اختیار کرنا پڑیں۔ اس سلسلہ میں ان کی واحد دلیل یہ رہی ہے کہ قرآن میں مختلف وجوہ و احتمالات ہوتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں حدیث و روایات زیادہ واضح ہوتی ہیں، حالانکہ قرآن اصل ہے اور وہی اعتماد و سہارے کے لائق ہے۔

مراجع

[۱] امام حمید الدین فراہیؒ۔ التکمیل فی اصول التاویل، ص ۸، مطبع حمیدیہ سرائے میر طبع اول ۱۳۸۶ھ
[۲] ایضاً، ص ۵-۶، [۳] ایضاً، ص ۵، [۴] ایضاً ص ۷-۸
[۵] امام حمید الدین فراہیؒ۔ فاتحہ تفسیر نظام القرآن ص ۷، مطبع اصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ۔

۶ امام حمیدالدین فراہی۔ فاتحہ تفسیر نظام القرآن، ص ۷، مطبع اصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ۔

۷ التکمیل فی اصول التاویل ص ۶۵-۶۶

۸ عنایت اللہ سبحانی۔ علامہ حمیدالدین فراہی، ص ۴۴، اسرار کریمی پریس، الہ آباد طبع اول ۱۹۷۶ء۔
یہ عبارت ڈاکٹر سبحانی نے علامہ ابن تیمیہؒ کے رسالہ مقدمہ فی اصول التفسیر کے حوالے سے نقل کی ہے۔
لیکن اس رسالہ میں یہ عبارت راقم کو نہیں مل سکی۔

۹ علامہ ابن تیمیہ۔ مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۱۶، طبع ثالث، مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۹۶ھ۔

۱۰ امام فراہی۔ تفسیر نظام القرآن اردو ترجمہ، ص ۳۵-۳۶، روبی آفسیٹ پریس دہلی ۱۹۹۰ء۔

۱۱ التکمیل فی اصول التاویل، ص ۵

۱۲ تفسیر نظام القرآن اردو ترجمہ، ص ۳۹

۱۳ ایضاً، ص ۴۰

۱۴ ایضاً ص ۴۷